عدل وقضا

دوسری قسط

ڈاکٹر عبدالرءوف ظفر☆

سیرتِ نبوی ﷺ اور پاکستان میں عدل کے اِدارے

رسول اللہ ﷺ کے اُصولِ قضا

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے قضا کے منصب پر فائز کیا اور اس کے کچھ اُصول مقرر کیے جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ﴾ (1) ''اور فرما دیجئے میں اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔''

﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ﴾ (2)

''اور کہہ دیجئے کہ میرے رب نے مجھے انصاف کا حکم دیا ہے۔''

﴿وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ﴾ (3)

''اور اگر تو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر۔''

حضور ﷺ نے قاضی کا منصب اس عہدہ کے تحت تو کبھی کسی کو عطا نہیں فرمایا، البتہ عمال کی ذیلی ذمہ داریوں میں اُمورِ قضا کی انجام دہی بھی شامل تھی۔ حضرت علیؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو نبی ﷺ نے خود یمن کے امیر تعینات فرمایا تھا۔ دراصل عمرؓ اسلام کے دورِ خلفاے راشدین کے پہلے قاضی تھے جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں باقاعدہ قاضی کے عہدے پر فائز کیا مگر سال بھر تک ان کے سامنے کوئی مقدمہ ہی پیش نہ ہوا۔ چنانچہ جہاں تک دورِ نبوی کی بات ہے تو نبی اکرم ﷺ نے بعض صحابہؓ کو اکنافِ عرب میں مقدمہ کا فیصلہ کرنے کا اختیار دے کر روانہ فرمایا، اگرچہ ان کے لیے قاضی کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ (4)

جب حضرت علیؓ کو یمن بھیجا گیا تو اُنہوں نے کہا: ''یارسول اللہ ﷺ! وہاں نئے

☆ ڈائریکٹر مسندِ سیرت، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور

(1) الشوریٰ: ۱۵ (2) الاعراف: ۲۹ (3) المائدۃ: ۴۲

(4) شبلی نعمانی، سیرت النبیؐ (مکتبہ رحمانیہ، لاہور) ۲/۵۰

مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضا کا تجربہ ہے، نہ علم۔'' تو نبی ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ تیری زبان کو راہِ راست کی توفیق عطا فرمائے گا اور تیرے قلب کو ثبات بخشے گا۔'' بہرحال حضرت علیؓ نے اپنے آپ کو اس منصب کا پورا پورا اہل ثابت کیا جو عین جوانی میں ان کے سپرد کیا گیا تھا۔⑤

معاذ بن جبلؓ کو اسی غرض سے یمن روانہ کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا «كيف تقضي ؟» ''تم فیصلہ کیسے کرو گے؟'' تو اُنہوں نے کہا: کتاب اللہ کے مطابق، پھر سنتِ رسول اللہ ﷺ کے مطابق......الخ۔''⑥

یمن کے نواح میں چار اور فیصلہ کرنے والے بھی آپ ﷺ نے مقرر فرمائے۔ خالد بن سعیدؓ صنعاء کے لیے، مہاجری بن اُمیہؓ کندہ کے لیے، زیاد بن لبیدؓ حضر موت کے لیے اور ابوموسیٰؓ اشعری کو زبید، زمعہ، عدن اور سواح کے لیے روانہ فرمایا۔ اسی طرح عتاب بن اسیدؓ کو مکہ میں عامل مقرر فرمایا، ان کی عمر اس وقت بیس برس کے لگ بھگ تھی۔ عہدۂ امارت کے لیے نبی اکرم ﷺ جب بھی کسی مہاجر کو عامل مقرر فرماتے تو ہمراہ کسی انصاری کو بھی روانہ فرماتے۔ ان اصحاب کے انتخاب کے وقت حضور اکرم ﷺ ان کی علمیت اور کردار کا جائزہ ضرور لیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں روانگی سے پہلے ان عمال کا حضور ﷺ خود ایک انٹرویو لیتے جنہیں عملاً بطورِ قاضی بھی کام کرنا ہوتا تھا۔⑦

عاملینِ زکوٰۃ کی ایک طویل فہرست کتبِ سیر میں ملتی ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ لوگ بھی جھگڑے چکا دیا کرتے تھے۔ بہرحال قاضی یا جج کا عہدہ بعد کے زمانے میں امارت یا عامل سے الگ کیا گیا۔ ابن خلدون نے قضا کو خلافت کے وظائف (functions) میں شمار کیا ہے اور اسے صرف خلیفہ کے لیے سمجھا ہے اور کہا ہے کہ حضرت عمرؓ پہلے خلیفہ ہیں جنہوں نے اُمورِ خلافت کے پھیلاؤ کے باعث یہ منصب بطورِ عہدہ اپنے پورے اختیار کے ساتھ حضرت ابودردانہ انصاریؓ اور عویمر بن ثعلبہ انصاریؓ کو مدینہ میں مقرر فرمایا۔ دراصل یہ تقسیم کار کی ایک صورت تھی۔⑧

---

⑤ عباس محمود العقاد مصری، علی بن ابی طالب، ترجمہ مولانا فتح پوری (نفیس اکیڈمی، لاہور) ص ۲۵۹

⑥ ابوداؤد، السنن، ص ۵۱۶، حدیث نمبر ۳۵۹۲۔ (حدیث ضعیف)

⑦ ابوالحسن، علی بن محمد بن حبیب، الاحکام السلطانیہ (دار الطباعت عثمانیہ، لاہور) ص ۲۱

⑧ ابن خلدون، عبدالرحمٰن، المقدمۃ (مصطفیٰ محمد القاہرہ، ۱۳۲۹ھ)

جب آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوتے تو عبداللہ ابن اُمّ کلثومؓ کو بھی اپنا نائب یا امیر مقرر فرمایا کرتے اور وہ نابینا تھے۔⑨ دورِ مکی میں نبی کریم ﷺ نے اس امر کا اہتمام فرمایا کہ ایسے افراد تیار کئے جائیں جو اسلامی مملکت کے سیاسی، انتظامی اور مالی اُمور بحسن وخوبی چلاسکیں، جبکہ حصولِ اقتدار کی کوئی کوشش نہیں کی گئی۔ مدینہ منورہ ہجرت کے بعد نبی اکرم ﷺ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی مملکت کا قیام عمل میں لائے اور مسلمانوں کے درمیان باہمی بھائی چارہ قائم کردیا۔ پھر یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب سے معاہدہ کیا۔ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ پہنچ کر مختلف اقوام سے متعدد معاہدے کئے جن کے مجموعے کو میثاق مدینہ بھی کہہ دیا جاتا ہے، اس میثاق کی ۲۴ اور ۴۴ دونوں دفعات عدل پر مشتمل ہیں۔ بعض لوگوں نے اسے دنیا کا پہلا تحریری دستور بھی قرار دیا ہے۔⑩ جس میں سیاسی فوجی اور مالی اُمور شامل ہیں۔ معاہدہ کرنے والے سب فریق ان اُمور کے پابند تھے۔

اب ہم ان معاہدات کا تنقیدی مطالعہ پیش کرتے ہیں جن میں اصلاح کے بہت سے پہلو شامل ہیں اور ان میں سے ایک نظامِ عدل کی اصلاح بھی ہے۔ اس معاہدے کی رو سے وہ تمام اُصول اور ضابطے منسوخ قرار پاگئے تھے جن پر پہلے نظامِ عدل کی اساس تھی اور ایسے نئے اُصول اور ضابطے میسر آگئے جو انسانیت کیلئے پہلے سے زیادہ اطمینان بخش تھے۔ ڈاکٹر لوتھر نے بڑی عقیدت کے ساتھ ایسے نئے اُصولوں کے بارے میں کہا ہے:

> ''اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل تہذیبوں کو تہہ وبالا کر کے نفوسِ اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیاے اسلام تعمیر کی جس کا اثر تمام نوع انسان پر پڑ کر رہے گا۔''⑪

◉ فتح مکہ کے بعد صرف طائف کا قبیلہ ایسا تھا جس نے اطاعت قبول نہیں کی تھی، آنحضرت ﷺ نے اس کا محاصرہ کیا مگر چند روز بعد بعض وجوہ کی بنا پر محاصرہ اُٹھالیا۔ صخر کے ایک رئیس کو جب معلوم ہوا تو اس نے خود طائف کی حصار بندی کی اور اُنہیں مصالحت پر آمادہ کیا۔ اس واقعہ کے بعد مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ صخر نے ان کی پھوپھی کو اپنے قبضے میں لے رکھا ہے، آپ ﷺ نے صخر کو بلا کر حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو ان کے گھر

---

⑨ ابوداؤد، السنن، ص ۴۲۶، حدیث نمبر ۲۹۳۱

⑩ محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی (مکتبہ ابراہیمیہ، حیدر آباد دکن) ۱/۸۴

⑪ ڈاکٹر لوتھر، جدید دنیاے اسلام (بحوالہ مقالات سیرت، نویں قومی کانفرنس، اسلام آباد) ص ۱۶۵

پہنچا دو۔ اس کے بعد بنوسلیم نے آکر شکایت کی کہ اسلام لانے سے قبل صخر نے ان کے چشمہ پر قبضہ کرلیا تھا، اب چونکہ وہ اسلام لاچکے ہیں، لہٰذا اُن کا چشمہ اُنہیں دلایا جائے آپ ﷺ نے صخر کو بلاکر فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرلیتی ہے تو وہ اپنے جان و مال کی مالک ہوجاتی ہے اور آپ ﷺ نے وہ چشمہ واپس کرادیا۔ ان دونوں معاملات میں فیصلہ صخر کے خلاف ہوا، حالانکہ فتح طائف کا سہرا انہی کے سر تھا۔ مگر آنحضرت ﷺ نے ان کی خدمات کے باوجود عدل وانصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ [۱۲]

◉ قرآن اور سنت ہی وہ اُصول ہیں جن کی اتباع ان پر واجب ہے۔ نیز اس مجموعہ معاہدات کی شق نمبر ۴۲ کا منشا یہ ہے کہ غیر مسلموں کو قانونی حقوق حاصل ہیں، چنانچہ قرآنِ حکیم میں یہودیوں، عیسائیوں اور دیگر ادیان کے پیروکاروں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَإِن جَاؤُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُم أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ۞ وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِندَهُمُ التَّوْرَاةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ [۱۳]

''اگر یہ تمہارے پاس (اپنے مقدمات لے کر) آئیں تو تمھیں اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہو ان کا فیصلہ کرو ورنہ انکار کردو۔ انکار کردو تو یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، اور فیصلہ کرو تو پھر ٹھیک ٹھیک انصاف کے ساتھ کرو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ اور یہ تمھیں کیسے حکم بناتے ہیں جبکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے اور پھر یہ اس سے منہ موڑ رہے ہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔''

اس آیت میں مذکور ہے کہ دیگر ادیان کے پیروکار نبی اکرم ﷺ کی طرف رجوع فرمائیں گے، جب وہ آپس میں اپنے جھگڑوں کا فیصلہ نہ چکا سکیں۔ چنانچہ عہدِ رسالت میں مدینہ کے باشندے اپنے جھگڑے اور دعوے رسولِ اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔

سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں عدل

ادارۂ نبوت کے ذمہ خاتم النّبیین ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سمیت جو مختلف فرائض سپرد

---

[۱۲] ابوداؤد، السنن، ص ۴۴۹، حدیث نمبر ۳۰۶۷ [۱۳] المائدہ: ۴۲، ۴۳

رہے، ان میں سے قرآنِ مجید کی شہادت کے مطابق ایک بڑا فریضہ قیامِ نظامِ عدل بھی تھا۔ عدل وانصاف کے اعلیٰ اور برتر اُصولوں کی حکمرانی کے لیے آپ ﷺ خود ہی ہمیشہ جواب دہی کے لیے تیار رہتے تھے اور اگر آپ ﷺ کے کسی سلوک سے نادانستہ طور پر کسی شخص کو ایذا پہنچ جاتی تو آپ ﷺ اسے اپنا بدلہ لینے کے لیے فراخ دلانہ پیش کش فرماتے۔ ایک مرتبہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے دوران میں ایک شخص کے چہرے پر جو اپنا حصہ لینے کے لیے آپ ﷺ پر جھک آیا تھا تو آپؐ کے نیزے کا زخم لگ گیا۔ آپؐ نے فوراً اسے بدلہ لینے کی پیش کش کی مگر اس نے کوئی بدلہ نہ لیا۔ (۱۴)

ایک دوسرے موقع پر آپ ﷺ نے ایک شخص کی کمر پر، جو اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے لوگوں کو ہنسا رہا تھا، ٹھوکا دیا جس پر اس نے بدلہ لینے کی خواہش ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے اپنی کمر آگے کردی۔ مگر اس نے کہا: ''میں برہنہ تن تھا، جبکہ آپ ﷺ قمیص پہنے ہوئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے قمیص اُٹھادی، اس نے آگے بڑھ کر مہر نبوت کو چوما اور کہا میں تو صرف یہ چاہتا تھا۔'' (۱۵) حضور ﷺ بیماری کی حالت میں تشریف لاتے ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں:

> ''اے لوگو! اگر میں نے کسی کی پیٹھ پر کبھی درّہ مارا ہے تو یہ میری پیٹھ حاضر ہے، وہ مجھ سے بدلہ لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کو برا بھلا کہا تو یہ میری آبرو حاضر ہے، وہ اس سے انتقام لے سکتا ہے۔ اگر میں نے کسی کا مال چھینا ہے تو میرا مال حاضر ہے، وہ اس سے اپنا حق لے سکتا ہے۔ اور تم میں سے کوئی یہ اندیشہ نہ کرے کہ اگر کسی نے انتقام لیا تو میں اس سے ناراض ہوں گا، یہ بات میری شان کے لائق نہیں۔'' (۱۶)

اولاد کے ساتھ عدل کے بارے میں حدیث میں آتا ہے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضرت نعمان بن بشیرؓ کی اہلیہ نے اُن سے کہا: میرے لڑکے کو فلاں غلام بخش دو، اس پر رسول ﷺ کو گواہ بناؤ۔ حضرت نعمانؓ بن بشیر نے یہ سارا واقعہ حضور ﷺ سے بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور بھی اولاد ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں! فرمایا: پھر میں ناحق پر گواہ نہیں بن سکتا۔ (۱۷)

آپ ﷺ نے فرمایا: «فاتقوا الله واعدلوا بين أولادكم» (۱۸)

---

(۱۴) ابوداود، السنن، ص ۶۴۱، حدیث نمبر ۴۵۳۶ (۱۵) ایضاً ص ۷۳۳، حدیث نمبر ۵۲۲۴

(۱۶) صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم (مکتبہ سلفیہ، لاہور ۱۹۹۴ء) ص ۷۴۵

(۱۷) البخاری، الجامع الصحیح (دار السلام، الریاض ۱۹۹۸ء) ص ۴۱۷، حدیث نمبر ۲۶۵۰

"خدا سے ڈرو اپنی اولاد میں انصاف کرو۔"

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ اسماءؓ بنتِ یزید بن سکن انصاری عورتوں کی نمائندہ کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ سے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مردوں اور عورتوں دونوں کی ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا ہے۔ ہم عورتیں بھی ربّ جل جلالہ پر ایمان لائی ہیں، لیکن خدا کی راہ میں جان کی بازی تمام فضیلت اور ثواب کے ساتھ صرف مردوں پر واجب کی گئی ہے کہ اگر وہ فتح کریں تو اُن کو ثواب اور مالِ غنیمت ملتا ہے اور اگر قتل کردیئے جائیں تو مقامِ شہادت پر فائز ہوتے ہیں۔ ہم عورتیں جب ہمارے شوہر جنگ کے میدان میں ہوتے ہیں تو گھر اور بچوں کی رکھوالی اور گھریلو کاموں کی بجا آوری میں مشغول ہوتی ہیں، کیا ہم بھی جہاد کے ثواب میں مردوں کے برابر شریک ہوسکتی ہیں؟" تو آنحضرت ﷺ نے اصحاب کی طرف رُخ کرکے فرمایا کہ اُنہوں نے کس قدر اچھا سوال کیا ہے۔ پھر حضرت اسماءؓ سے فرمایا کہ دوسری عورتوں سے بھی جن کی طرف سے تم نے بات کہی ہے، میرا یہ قول پہنچادینا کہ گھریلو فرائض کی انجام دہی، بچوں کی پرورش اور شوہر کی خدمت عورتوں کی طرف سے خدا کی راہ میں جہاد شمار کیا جاتا ہے۔"[19]

خواتین کے معاملے میں عدل وانصاف کے بارے میں بہت ساری احادیث کا ذکر ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ خواتین نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؐ سے فیض حاصل کرنے میں ہم پر مرد غالب رہتے ہیں، اس لیے آپؐ ہمارے لیے ایک دن مختص فرمادیجئے۔ آپ نے ان کے لیے ایک دن متعین فرمادیا، ان سے ملے، وعظ فرمایا اور احکام دیئے۔ اس موقع پر آپ نے خواتین سے یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے کسی کے اگر تین بچے فوت ہوگئے تو وہ اس کے لیے دوزخ کی آگ سے رکاوٹ ثابت ہوں گے۔ ایک خاتون نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر دو ہی بچے فوت ہوئے تو آپ نے فرمایا: اگر دو بھی فوت ہوئے تب بھی۔[20] مذکورہ بالا دو حدیثوں پر اگر غور کیا جائے تو جہاں چند ایک نہایت ہی اہم باتوں کی وضاحت ہوتی ہے وہاں ان کے متعلق ہمیں توجیہات وتعلیمات نبوی سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔

اسی طرح خواتین کے لیے وراثت کا حق رکھنا، اُن کو تعلیم دلوانا، ان کی اچھی تربیت کرنا سب

---

(18) ایضاً، ص ۴۱۷، حدیث نمبر ۲۵۸۷ — (19) مقالاتِ سیرت نبویؐ، ص: ۱۹۲

(20) البخاری، الجامع الصحیح، ص ۲۳، حدیث نمبر ۱۰۱

خواتین کے لیے عدل کے حکم میں آتا ہے۔

غلاموں کے بارے میں حدیث میں ہے کہ صہیب رومیؓ کو بارگاہِ رسالت پناہ ﷺ میں وہی قرب حاصل تھا جو حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کو حاصل تھا۔ حضرت اُسامہؓ امیرِ لشکر بنائے گئے جو بظاہر غلام زادہ تھے، لیکن اسلام نے اُن کو وہ سربلندی عطا کی تھی کہ ان کی قیادت وامارت میں بڑے بڑے ذی حشم خاندان کے افراد اور عزت وسروری کے کلاہ کج سروں پر رکھنے والے قبائل کے افراد جو دولتِ ایمان سے سربلندی حاصل کر چکے تھے، جوش ایمانی اور جذبۂ جہاد سے سرشار ان کو اپنا رہنما بنائے منزلِ مقصود کی طرف گامزن تھے۔ دنیا اس مساوات اور معاشرتی عدل کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ ﷺ نے غلاموں کے بارے میں متعدد مرتبہ اِرشاد فرمایا: ''یہ تمہارے بھائی ہیں......

«فأطعموه مما تأكلون، واكسوه مما تكتسون» [21]

''جو خود کھاؤ اُنہیں کھلاؤ، جو خود پہنو اُنہیں پہناؤ۔''

عن أبي مسعود الأنصاري قال: كنت أضرب غلامًا لي فسمعت من خلفي صوتًا: اِعلم أبا مسعود»...... فالتفتُّ فإذا هو رسول الله ﷺ فقلت: يا رسول الله ﷺ! هو حرٌّ لوجه الله قال: «أما [إنك] لو لم تفعل لَلَفَحَتْكَ النار» [22]

''حضرت ابومسعود انصاریؓ سے روایت ہے کہ وہ اپنے غلام کو مارے جارہے تھے۔ کسی نے پیچھے سے آواز دی جان لے ابومسعود! اُنہوں نے مڑ کر دیکھا تو حضور ﷺ تھے، عرض کی: میں نے اسے آزاد کردیا، فرمایا: ''اگر تم ایسا نہ کرتے تو دوزخ کی آگ تمھیں پکڑ لیتی۔''

عدلِ عائلی کے بارے میں سیدہ عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ مرض الموت کے آخری دِنوں حضور ﷺ نے چاہا کہ میرے گھر میں قیام کریں تو باقی ازواجِ مطہرات سے ایسا کرنے کی اجازت چاہی اور قیام فرمایا، [23] جو عدلِ عائلی کی نمایاں مثال ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ وصال کے دن حضرت عائشہؓ کی باری ہی تھی۔

انصاف کرنے میں آپ ﷺ کے نزدیک مسلم اور غیر مسلم، اپنے اور بیگانے میں کوئی فرق

---

[21] ابوداؤد، السنن، ص ۷۲۵، حدیث نمبر ۵۱۶۲ [22] ایضاً ص ۷۲۵، حدیث نمبر ۵۱۵۹

[23] ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ (مطبعہ مصطفیٰ البابی حلبی، مصر) ۲۹۸/۴ تا ۳۰۱

نہ تھا۔ چنانچہ کئی بار ایسا ہوا کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کے خلاف غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا مثلاً ایک روایت ہے کہ ایک یہودی کا ایک مسلمان پر قرض تھا۔ اس نے غزوۂ خیبر کے دوران تقاضا شروع کردیا۔ مسلمان نے مہلت مانگی، مگر یہودی نے مہلت دینے سے انکار کیا۔ آپ ﷺ نے مقروض کو فوری ادائیگی کا حکم دیا اور تعمیل نہ ہونے کی صورت میں قرض خواہ کو اس کے بعض کپڑے لے جانے کی اجازت دی۔ (۴۴)

آپ ﷺ کے مدینہ منورہ آنے سے پہلے بنوقریظہ اور بنونضیر کے مابین قصاص اور دیت کے معاملات میں فرق تھا۔ چنانچہ اگر کوئی نضیری (بڑی قوم کا) کسی قرظی (چھوٹی قوم کے کسی شخص) کو ہلاک کردیتا تو نصف دیت ادا کی جاتی اور برعکس صورت میں پوری لازمی سمجھی جاتی۔ آپ ﷺ نے اس ناانصافی کو ختم کردیا اور دونوں کے مابین اس بارے میں مساوات قائم فرمائی۔ (۴۵)

فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے کھیتی باڑی کا سارا کام یہودیوں کے سپرد کردیا۔ یہودیوں نے آپ ﷺ سے شکایت کی کہ مسلمان اپنا حصہ لینے کے بعد بھی ان کی فصلوں اور سبزیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے حکم دیا کہ اقلیت (معاہدین) کا مال مسلمانوں کے لیے حلال نہیں ہے۔ اس کے بعد مسلمان ان سے سبزی وغیرہ بھی قیمتاً خریدتے تھے۔ (۴۶)

آپ ﷺ نے ہر معاملے میں عدل سے کام لیا حتیٰ کہ کسی معاہدے میں حد سے تجاوز کرنے سے روکا۔ آپ ﷺ نے تو کسی معاہدے میں بھی ظلم کو برداشت نہیں کیا۔ رسول ﷺ نے فرمایا: اگر تمھیں کسی قوم سے جنگ لڑنی پڑے اور تم ان پر غالب آجاؤ اور وہ تم سے چند شرائط پر صلح کرلے تو تمہارے لیے ان مقررہ شرائط سے تجاوز کرنا جائز نہیں۔ (۴۷)

«من قتل معاهدًا في غير كنهه حرم الله عليه الجنة» (۴۸)

''جس نے بلاوجہ کسی معاہد کو قتل کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کو حرام کردیا۔''

حدود کے معاملے میں عدلِ نبوی ﷺ

حضرت انس بن مالکؓ نے فرمایا کہ مدینہ منورہ میں ایک لڑکی یا لونڈی بالیاں پہنے ہوئے گھر سے باہر نکلی تو ایک یہودی نے اسے پتھر مارا۔ وہ لڑکی زخمی حالت میں نبی ﷺ کی خدمت میں

---

(۴۴) احمد بن حنبل، المسند (دار الفکر، بیروت) ۲/۲۴۳ — (۴۵) ابوداؤد، السنن، ص ۵۱۵، حدیث نمبر ۳۵۹۱

(۴۶) الواقدی، محمد بن عمر، کتاب المغازی (عالم الکتب، بیروت) ۲/۶۹۱

(۴۷) ابوداؤد، السنن، ص ۴۰۱، حدیث نمبر ۲۷۵۹ — (۴۸) ایضاً ص ۴۰۱، حدیث نمبر ۲۷۶۰

لائی گئی جبکہ ابھی اس میں زندگی کی کچھ رمق باقی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«من قتلكِ، فلان قتلكِ؟» فقالت: لا، برأسها قال: «من قتلك، فلان قتلك؟» قالت:لا، برأسها. فرفعت رأسها فقال لها في الثالثة: «فلان قتلكِ؟» فخفضت رأسها فدعا به رسول الله فقتله بين الحجرين (٢٩)

''فلاں شخص نے تجھے قتل کیا؟ اس لڑکی نے اپنے سر کے اشارے سے کہا: نہیں حضور ﷺ نے اس سے کہا کس نے تجھے قتل کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تجھے فلاں شخص نے قتل کیا ہے؟ اس نے پھر اپنے سر سے اشارہ کیا: نہیں۔ تیسری بار آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ فلاں شخص نے تجھے قتل کیا ہے؟ تو اس نے اپنا سر اثبات میں نیچے کر دیا۔ تب رسول اللہ ﷺ نے اس یہودی کو بلوایا اور دو پتھروں کے درمیان رکھ کر اسے قتل کرا دیا۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اُن کی پھوپھی ربیع بنت نضر نے انصار کی ایک لونڈی کا اگلا دانت توڑ دیا تو اس کے گھر والوں نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا۔ یہ ان سے معافی کے طلب گار ہوئے، اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اُنہوں نے دیت کی پیشکش کی تو اُنہوں نے اس کے لینے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے تو اُنہوں نے کتاب اللہ کے ساتھ ان کے درمیان فیصلہ کر دیا۔ (٣٠)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ جھگڑے کا فیصلہ نبی ﷺ کے پاس لے کر آئے تو نبی کریم ﷺ نے اُنہیں قصاص کا حکم دیا۔ ربیع کے بھائی، انسؓ بن مالک کے چچا، انسؓ بن نضر نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا آپؐ ربیع کا اگلا دانت توڑیں گے؟ اللہ کی قسم آپ ﷺ اس کا دانت نہیں توڑیں گے۔ دوسری روایت میں ہے، آپ اس کا اگلا دانت نہیں توڑیں گے۔ جب کہ وہ اس لونڈی کے گھر والوں سے معافی اور دیت کا مطالبہ کر چکے تھے۔ رسول ﷺ نے فرمایا اے انسؓ: کتاب اللہ قصاص کا مطالبہ کرتی ہے۔ جب ربیع کے بھائی، جو انسؓ کے چچا اور اُحد کے شہید ہیں، نے قسم اُٹھائی تو وہ لوگ راضی ہو گئے۔ اُنہوں نے معاف کر دیا اور دیت قبول کر لی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں، اگر وہ اللہ پر قسم ڈال دیں تو اللہ اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ (٣١)

---

(٢٩) صحیح بخاری: ٦٨٧٧، ابوداود: ٤٥٢٩

(٣٠) مسلم، الجامع الصحیح (دارالسلام، الریاض، ١٩٩٨ء) ص ٧٤٣، حدیث نمبر ٤٣٧٤

ماعز بن مالکؓ کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے زنا کا اعتراف کیا: "فأمر به أن یُرجم"[۳۲] ''پس آپ ﷺ نے اُسے رجم کرنے کا حکم دیا'' اور اُن کو رجم کر دیا گیا۔ اسی طرح ایک حاملہ عورت کو بچے کی پیدائش کے بعد رجم کیا گیا۔ جب یہ ثابت ہو چکا تھا کہ اس نے زنا کا ارتکاب کیا ہے۔ ایک غیر شادی شدہ زانی کو سو کوڑے لگائے، جبکہ اس کے خلاف زنا کا جرم ثابت ہو چکا تھا۔[۳۳]

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص پیش کیا گیا جس نے صفوان بن اُمیہ کے کپڑے چوری کیے تھے۔ عدالتی جرح کے نتیجہ میں اس شخص کا جرم ثابت ہو گیا تو اسے ہاتھ کاٹنے کی سزا دی گئی۔[۳۴]

اسی طرح فتح مکہ کے وقت نبی اکرم ﷺ نے ایک مال دار عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا:

"عن عائشة قالت: كانت امرأة مخزومية تستعير المتاع وتجحده، فأمر النبي ﷺ بقطع يدها"[۳۵]

''حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ مخزومی قبیلے کی ایک عورت چوری کرتی تھی اور پھر انکار کرتی تھی۔ نبی ﷺ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔''

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے حضرت اُسامہؓ کی سفارش رسول اللہ ﷺ کے ہاں بھیجی تو آپؐ نے خطبہ دیا اور فرمایا کہ پہلے لوگ اس لیے ہلاک ہوئے کہ اگر بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور کمزور آدمی کو سزا دیتے اور فرمایا:

«وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمّد سرقت لقطعت يدها»[۳۶]

''اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے اس چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم صادر فرمایا جس نے دوسروں کا مال چرا لیا تھا۔ اور اس نے عدالت کے سامنے اقبالِ جرم کر لیا تھا۔[۳۷]

---

(۳۱) الموسوعة القضائية مترجم (فلاح فاؤنڈیشن، لاہور) ص ۸۹

(۳۲) ابوداؤد، السنن، ص ۶۲۲، حدیث نمبر ۴۴۱۹

(۳۳) ایضاً ص ۶۲۵، حدیث نمبر ۴۴۴۵

(۳۴) ایضاً ص ۶۱۸، حدیث نمبر ۴۳۹۴

(۳۵) ایضاً ص ۶۱۵، حدیث نمبر ۴۳۷۴

(۳۶) ترمذی، السنن، ص ۳۴۶، حدیث نمبر ۱۴۳۰

(۳۷) ابوداود، السنن، حدیث نمبر ۴۳۸۰

عائلی زندگی کے بارے میں عدل نبوی ﷺ

عن ابن عباس قال: إن جارية بكرًا أتت النبى فذكرت أن أباها زوَّجها وهي كارهة فخيَّرها النبي ﷺ (38)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک کنواری لڑکی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ اس کے باپ نے اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اس کا نکاح کردیا ہے۔ آپ ﷺ نے اسے اختیار دے دیا کہ چاہے تو اپنا نکاح باقی رکھے چاہے توڑ دے۔''

عن ابن عباس قال: جاء ت امرأة ثابت بن قيس بن شماس إلى النبي ﷺ فقالت: يارسول الله! ما أنقم على ثابت في دين ولا خلق، إلا أني أخاف الكفر. فقال رسول الله: فتردين عليه حديقته قالت: نعم فردَّت عليه وأمره ففارقها (39)

''ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور کہا: یا رسول اللہ ﷺ! میں ثابت کے دین اور اخلاق میں کوئی عیب چینی نہیں کرتی۔ البتہ مجھے اندیشہ ہے کہ میں اس کی فرمانبرداری نہیں کرسکوں گی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو اس کا باغ اس کو لوٹا دے گی؟ کہنے لگی: ہاں۔ چنانچہ اس نے باغ لوٹا دیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جدائی کا فیصلہ دے دیا۔''

طلَّق ركانة بن عبد يزيد أخو بني المطلب امرأته ثلاثًا في مجلس واحد فحزن عليها حزنًا شديدًا فسأله رسول الله كيف طلقتها؟ فقال طلقتها ثلاثًا فقال في مجلس تلك واحدة فارجعها إن شئت قال فراجعها (40)

''رکانہ بن عبد یزید بنو مطلب کے بھائی نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دیں۔ پھر اسے بہت افسوس ہوا۔ تو حضور ﷺ نے اس پوچھا کہ تو نے کیسے طلاق دی تھی۔ اس نے کہا: میں تین طلاقیں دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ایک مجلس میں؟ اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو ایک ہے، چاہے تو رجوع کرلے، پس اس نے رجوع کرلیا۔''

لعان کے مقدمات میں بھی آپ ﷺ کے بصیرت افروز ارشادات ملتے ہیں۔ مثلاً

(38) ایضاً ص ۳۰۳، حدیث نمبر ۲۰۹۶ (39) البخاری، الجامع الصحیح، ص ۹۴۳، حدیث نمبر ۵۲۷۶

(40) ابن قیم، اعلام الموقعین (مطبعہ التجاریہ، القاہرہ، ۱۹۶۲ء) ۲۹۱/۴

عن أبي هريرة أن رجلاً أتى النبي ﷺ فقال: يارسول الله! ولد لي غلام أسود، فقال:« هل لك من إبل ؟» قال: نعم قال: «ما ألوانها؟» قال: حمر، قال:« هل فيها من أورق؟» قال نعم. قال: «فأنّى ذلك؟» قال: لعله نزعه عِرق قال: «فلَعلَّ ابنك هذا نزعه»[۴۱]

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی آنحضرت ﷺ کے پاس آیا اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میرے ہاں سیاہ رنگ کا بچہ پیدا ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے پاس اونٹ ہیں؟ کہا: ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں۔ اس نے کہا: سرخ تو فرمایا ان میں کوئی ازرق (سیاہی مائل) ہے؟ اس نے کہا: ہاں تو آپ ﷺ نے فرمایا: وہ کہاں سے آیا؟ اس نے کہا: شاید اوپر کی نسل میں کوئی چیز ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے بیٹے میں بھی شاید اسی طرح اوپر کی نسل سے کوئی چیز آ گئی ہو۔''

عن عبدالله أن رجلا من الأنصار قذف امرأته فاحلفهما النبي صلى الله عليه وسلم ثم فرّق بينهما[۴۲]

''حضرت عبداللہؓ سے روایت ہے کہ انصار کے ایک مرد نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی تو حضور ﷺ نے قسم لی، پھر دونوں میں تفریق کرادی۔''

اسلامی نظامِ عدل وقضا کی خصوصیات

اسلام کی اس سربلندی اور عظمت کی سب سے بڑی وجہ عدل وانصاف پر مبنی اسلام کا وہ نظامِ قضا ہے جس کے تحت اسلامی مملکت کے ہر شہری کو آسان اور سستا انصاف ہر آن میسر آتا ہے کہ ہر کوئی بغیر کسی دِقت اور پریشانی کے اپنے حقوقِ ذاتی کا تحفظ آسانی سے کرسکتا ہے۔ اسلام کا یہ نظام اپنی جگہ بے مثال ہے اور ایسی خصوصیات کا حامل کہ جن میں یہ منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں انہی خصوصیات کا بیان ہے:

① عدلیہ کی اسلامی اساس

کوئی بھی عدلیہ اپنے وجود کے اعتبار سے بیکار محض ہے اگر اس کی پشت پر رہنمائی کے لیے کوئی محکم اساس نہ ہو، دوسرے لفظوں میں عدل کا معیار اور مستحکم میزان انصاف کے لئے انتہائی ضروری ہے۔ اسلامی عدلیہ کی محکم اساس قرآن وسنت اور اجماع وقیاس کے اُصولِ اربعہ پر مبنی

[۴۱] البخاری، الجامع الصحیح ص ۹۴۸، حدیث نمبر ۵۳۰۵   [۴۲] ایضاً ص ۹۴۸، حدیث نمبر ۵۳۰۱

ہے۔ مسائل کے استنباط اور قوانین کے اخذ واستفادہ کے لئے قرآن وسنت کی حیثیت اُصول استناد کی ہے کہ جنہیں دین میں دلیل شرعی اور حجت ہونے کی بنا پر سند کے طور پیش کیا جاتا ہے جبکہ اجماع وقیاس اجتہاد کے بنیادی اُصول قرار پاتے ہیں کہ جن کی رہنمائی میں مجتہد اور فقیہ مسائل کے لیے محنت اور کوشش کرتا ہے۔

② انفرادی حقوق کی ضمانت

نبی اکرم ﷺ نے جس معیاری نظامِ عدل وقضا کو دنیا کے سامنے پیش فرمایا، اس کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نظام کے ذریعہ مملکت کے ہر فرد کے حقوق کی مکمل طور پر ضمانت دی گئی ہے۔ اسی لیے یہ بات اربابِ حکومت کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ مملکت کے ہر باشندے کی عزت وآبرو، جائیداد ومال جسم وجان اور چادر وچار دیواری کے تحفظ کا اہتمام کریں۔ اور عدل وانصاف کی بنیاد پر ہر اس شخص کے حقوق کی پاسداری کا بندوبست کریں جو اس مملکت کا شہری ہے ورنہ وہ نااہل تصور ہوں گے اور اپنی کوتاہیوں اور فرائض سے غفلت پر اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بچ نہیں سکیں گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ [43]

''بلاشبہ تم کو اللہ اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچادو اور جب لوگوں میں تصفیہ کرنے بیٹھو تو انصاف کے ساتھ تصفیہ کرو۔''

③ شخصی آزادی

اسلامی عدل وانصاف کی ایک بہت ہی خوبصورت خوبی شخصی آزادی کا ہونا ہے۔ آپ ﷺ نے ہر فرد کو ہر قسم کے حاکمانہ جبر واستحصال سے نجات دلائی۔ نبی ﷺ کا یہی واقعہ شخصی آزادی کے تحفظ کے لیے کافی ہے:

عن بهز بن حكيم عن أبيه عن جده أن أخاه أو عمّه قام إلى النبي ﷺ وهو يخطب فقال: جيراني بما أخذوا؟ فأعرض عنه مرتين ثم ذكر ما شاء فقال النبي ﷺ «خلّوا له عن جيرانه» [44]

''بہز بن حکیمؒ اپنے باپ سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ (والد کے بھائی یعنی چچا)

---

[43] النساء: ۵۸ [44] ابوداود، السنن، ص ۵۲۱، حدیث نمبر ۳۶۳۱

حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے درآنحالے کہ آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ اُنہوں نے سوال کیا میرے پڑوسیوں کو کس قصور میں گرفتار کیا گیا ہے تو نبی ﷺ نے اس سے دو مرتبہ سے صرفِ نظر کیا۔ تو اس شخص نے پھر کچھ کہا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے پڑوسیوں کو چھوڑ دو۔''

نبوی معاہدات کا مجموعہ 'میثاقِ مدینہ' رائے اور مسلک کی آزادی کا بہترین نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ پورا خطبہ حجۃ الوداع انسانی حقوق کے تحفظ کا عظیم اوّلین چارٹر ہے۔

④ قانون کی حکومت

اسلامی نظامِ عدل وقضا کی تیسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر آزاد، غلام، امیر، غریب، کمزور، توانا، کالے، گورے یا حاکم ومحکوم کی کوئی تفریق نہیں اور قانون کی نظر میں سب کے سب برابر کی حیثیت کے مالک ہیں۔ اس نظام میں بادشاہ یا امیر مملکت بھی عدالت کے روبرو ویسے ہی کٹہرے میں کھڑا ہوگا جس طرح ایک عام آدمی کھڑا ہوتا ہے اور اپنے مقدمے کی پیروی کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابی ابن کعبؓ کے ساتھ مقدمہ کے وقت امیر المومنین حضرت عمرؓ بن خطاب جب حضرت زیدؓ بن ثابت کی عدالت میں پہنچے تو آپ کو دیکھ کر حضرت زیدؓ نے درمیان میں فرش پر جگہ کشادہ کردی اور عرض کیا: امیر المومنین! یہاں تشریف رکھئے۔ یہ بات آپؓ کو ناگوار گزری جس پر آپ نے فرمایا:

هٰذا أوّل جورٍ جريت في حكمك ولكن أجلس مع خصمي"[35]

''یہ پہلا ظلم ہے جو تمہارے فیصلے میں ہوا ہے میں تو اپنے مدمقابل کے ساتھ ہی بیٹھوں گا۔''

⑤ آسان اور سستا انصاف

حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب حضورِ اکرم ﷺ نے حضرت ابوموسیٰ کے ہمراہ یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو دونوں کو وصیت فرمائی:

"يسّرا ولا تُعسّرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا"[36]

''نرمی برتنا، دشواری پیدا نہ کرنا، خوشخبری سنانا، نفرت انگیزی نہ کرنا اور باہم متحد رہنا۔''

㉟ مقالاتِ سیرت (حصہ اوّل) نویں قومی سیرت کانفرنس (وزارتِ مذہبی اُمور، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد ۱۹۸۴ء) ص ۹۰

㊱ ابوداؤد، السنن، ص ۱۰۶۷، حدیث نمبر ۶۱۲۴

اس لیے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ عوام کے لیے انصاف کے حصول کو مشکل بنا دیا جائے اور ایسے قواعد وضوابط وضع کیے جائیں جن سے عام آدمی اپنے حقوق کے تحفظ کے لیے دوسروں کا دست نگر ہو کر رہ جائے اور عدل وانصاف تک نہ پہنچ سکے۔

پاکستان میں عدل وانصاف کے ادارے

۱۵؍جولائی ۱۹۴۷ء کو برطانوی پارلیمنٹ میں مسودہ 'قانون استقلالِ ہند' منظور ہوا۔ ۱۸؍جولائی کو شاہِ انگلستان نے اس کی منظوری دی۔ عارضی دستور کے طور پر کام دینے کے لیے 'گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء' کی ترمیم کی گئی جو اگست ۱۹۴۷ء سے دونوں نوآبادیوں میں 'انڈیا آرڈر ۱۹۴۷ء' کی رو سے نافذ کیا گیا۔[۳۷]

<u>فیڈرل کورٹ کا قیام</u>: ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ایک فیڈرل کورٹ قائم کیا گیا جو صوبوں اور ریاستوں کے قانونی تصفیوں کا ذمہ دار تھا۔ یہ ایک چیف جسٹس اور چھ ججوں پر مشتمل تھا۔ اس کا کام یہ بھی تھا کہ صوبوں اور فیڈرل اسمبلی کے دائرہ کار کو آئینی حدود سے باہر نہ نکلنے دے۔[۳۸]

چنانچہ قیام پاکستان کے بعد ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کو ہی چند ترامیم کر کے پاکستان کے عبوری آئین کے طور پر اختیار کیا گیا۔ ۲۲؍مارچ ۱۹۴۹ء کو لیاقت علی خاں کی تحریک پر آئین ساز اسمبلی نے مولانا عثمانی کے لیاقت علی خاں وسردار عبدالربّ نشتر کے ساتھ مل کر اقتدارِ اعلیٰ، جمہوریت، بنیادی حقوق اور اقلیتوں کے حقوق سے متعلق قرار دادِ مقاصد مرتب کی اور اسے منظور کر کے پاکستان کی نظریاتی سمت کا تعین کر دیا۔[۳۹]

۱۹۵۶ء کے تحت سپریم کورٹ، پاکستان کا قیام عمل میں آیا اور اسکو اعلیٰ اختیارات دیئے گئے۔

<u>مرکزی عدالتی نظام</u>: ۱۹۶۲ء کے آئین کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ عدلیہ آزاد تھی۔ آئین کی رو سے پاکستان میں ایک سپریم کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا جو ایک چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل تھا اور جن کی تعداد کا تعین بذریعہ قانون کیا گیا۔ سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے اعلیٰ ترین عدالت تھی۔ آئین کے تحت سپریم کورٹ کو اس کا اختیار تھا کہ وہ مرکزی مقننہ کے کسی ایکٹ کے احکام اور مرتب کردہ قواعد کے تابع کسی فیصلے یا حکم کی، جو اس نے صادر کیا ہو، نظر ثانی کر

---

(۳۷) سید ریاض حسن، پاکستان ناگزیر تھا (شعبہ تصنیف، کراچی یونیورسٹی، کراچی) ص ۵۲۳

(۳۸) محمد مجاہد فاروق، پاکستان کی نظریاتی تاریخ حکومت اور سیاست (نیو بک پیلس، لاہور) ص ۵۷

(۳۹) چودھری محمد اعظم، پاکستان کا آئین 1973ء، ص ۴۰

سکے۔ (آئین پاکستان ۱۹۶۲ء)

صوبائی عدالتی نظام: یہ قرار دیا گیا کہ ایک ہائی کورٹ کے جج کو صدر سپریم کورٹ کے چیف جسٹس اور متعلقہ صوبے کے گورنر سے مشورہ کے بعد مقرر کریں گے۔ ہائی کورٹ کے جج کے لیے پاکستان کا شہری ہونا لازم قرار دیا گیا۔

۱۹۷۳ء کا آئین اور عدلیہ: دستور میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کا اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں لایا گیا اور عدلیہ کی آزادی کو برقرار رکھا گیا۔

۱۹۷۳ء کے آئین میں ترامیم اور عدالتی نظام: تیسری ترمیم ۱۹۷۵ء: اس ترمیم کے ذریعے امتناعی نظر بندی کے قوانین میں ردّوبدل کیا گیا۔ چوتھی ترمیم ۱۹۷۵ء امتناعی نظر بندی کے قوانین میں مزید ردّوبدل کی گئی۔ پانچویں ترمیم ۱۹۷۶ء چیف جسٹس سپریم کورٹ و ہائی کورٹس اور جج صاحبان کے عہدہ کی معیاد ریٹائرمنٹ کی شرط میں تبدیلی کی گئی۔ چھٹی ترمیم سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صاحبان ہائی کورٹ کے اختیارات میں کمی کی گئی۔

وفاقی شرعی عدالت: ۱۹۸۰ء میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لیے وفاقی شرعی عدالت کا قیام عمل میں لایا گیا۔

بارہویں ترمیم ۱۹۹۱ء: گھناؤنے، وحشیانہ جرائم میں ملوث افراد کے مقدمات کی تیزی سے سماعت کے لیے انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالت قائم کی گئی۔

پاکستانی عدالتوں کی تقسیم

اسلامی جمہوریہ پاکستان کی عدالتوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

① ضابطۂ فوجداری کے تحت فوجداری عدالتوں پر قائم نظام عدالت

② ضابطۂ دیوانی کے تحت دیوانی عدالتوں کا نظام

① عدالتِ فوجداری کی ذمہ داری: مجموعہ ضابطہ فوجداری تعزیری قوانین کا ایک مکمل ضابطہ ہے جو ایسے جرائم سے متعلق ہے جو ملکی معاشرے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثلاً قتل غارت گری، چوری، ڈکیتی، اغوا، دھوکہ دہی اور بدکاری وغیرہ۔

② **عدالتِ دیوانی کی ذمہ داری: وہ مقدمے جو ترکے، جائیداد کی تقسیم، جائیدادوں کے رہن، خرید وفروخت اور انتقال وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں، دیوانی مقدمات کہلاتے ہیں۔**

اس کے علاوہ بھی چند ایسی عدالتیں ہیں جو پاکستان میں انصاف فراہم کرنے کا ذریعہ بنتی

ہیں مثلاً جرگہ، پنچائیت، مصالحتی عدالتیں، دہشت گردی کی خصوصی عدالتیں، افواجِ پاکستان کی عدالتیں، لیبر کورٹس، قاضی عدالتیں، شریعت کورٹس، سروس ٹریبونلز اور اس کے علاوہ نابالغ مجرمان کی عدالتیں۔ قبل اس کے کہ ہم دونوں قسم کی عدالتوں کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کریں، اس امر کی نشاندہی ضروری ہے کہ پاکستان کے موجودہ نظام ہائے عدالت کی بنیاد برطانوی قانون دان لارڈ میکالے کے وضع کردہ قانونی نظام پر رکھی گئی ہے۔ جس نظامِ عدل کو انگریز حکمرانوں نے برصغیر پاک و ہند میں رائج کیا تھا، وہی نظامِ عدل قیامِ پاکستان کے بعد بھی قائم رکھا گیا، گوکہ اس میں چند ترامیم بھی کی گئیں تاہم بنیادی طور پر انگریزی قانونی وعدالتی نظام ہی پاکستان میں رائج رہا ہے۔

سنٹرل جوڈیشل سسٹم (Central Judicial System)

<u>مرکزی عدالتی نظام</u>: ۱۹۶۲ء کے آئین کی رو سے پاکستان میں ایک سپریم کورٹ کا قیام عمل میں لایا گیا جو ایک چیف جسٹس اور دیگر ججوں پر مشتمل تھا اور جن کی تعداد کا تعین بذریعہ قانون کیا گیا۔ سپریم کورٹ پاکستان کی سب سے اعلیٰ عدالت ہے:

The Supreme Court of Pakistan

(Introduction) "The Supreme Court shall consist of chief Justice to be known as the **Chief Justice of Pakistan** and so many other judeges as may be determined by Act of [*Majlis-e-Shora* or Parliment] or, until so determined as may be fixed by the president.[۵۰]

"عدالتِ عظمیٰ ایک چیف جسٹس پر مشتمل ہوگی جسے چیف جسٹس آف پاکستان کہا جائے گا۔ اور اتنے دیگر ججوں پر مشتمل ہوگی جس کی تعداد مجلس شوریٰ کے ایکٹ کے ذریعہ متعین کی جائے یا اس طرح تعین ہونے تک جو صدر مقرر کرے۔"

تشریح: عدالتِ عظمیٰ پاکستان میں عدل وانصاف کا اعلیٰ ترین ادارہ ہے، اسے یہ نام ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت دیا گیا تھا۔ اس سے قبل اسے 'فیڈرل کورٹ آف پاکستان' کہا جاتا تھا۔ ۱۹۶۲ء اور ۱۹۷۳ء کے دساتیر میں بھی اس کا نام بدستور عدالتِ عظمیٰ (سپریم کورٹ) ہی رہنے دیا گیا۔

---

۵۰ Khan, Makhdom Ali "The Constitution of Republic of Pakistan" 1973, Karachi, (Pakistan Law Book House) p.86

سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر صدرِ مملکت کرتا ہے۔

پاکستان میں ضابطہ دیوانی کے تحت قائم کردہ دیوانی عدالتیں

دیوانی عدل: اگر وہ فعل یا ناجائز ترکِ فعل جس سے حق تلفی ہوئی ہو، جرم کی تعریف میں نہ آتا ہو یا سزا دلانے سے اس کو جس کی حق تلفی ہوئی ہے، کوئی خاص فائدہ نظر نہ آئے تو دیوانی عدالت میں چارہ جوئی کرنا مناسب ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت جو دیوانی عدالتیں قائم ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

❀ عدالتِ عالیہ (High Court): اس سے مراد کسی مقامی رقبہ یا علاقہ کی سب سے بڑی عدالت ہے۔ عدالتِ عالیہ میں وہ عدالتیں شامل ہیں جن کو صوبائی حکومت وقتاً فوقتاً بذریعہ اشتہار عدالتِ عالیہ قرار دیں۔ عدالتِ عالیہ اور دوسری عدالتوں میں فرق طریقۂ کار اور اختیارات کے استعمال کی نوعیت کا ہے۔ پاکستان میں چاروں صوبوں کی ہائی کورٹس موجود ہیں، جس میں ابھی حال ہی میں اسلام آباد ہائی کورٹ کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔

ڈسٹرکٹ سیشن جج (District Judge): ہر ضلع میں سب سے بڑی عدالت ڈسٹرکٹ جج کی ہوتی ہے۔ کراچی کو چھوڑ کر سارے ڈسٹرکٹ کورٹ 'اپیل کی عدالت' ہوتی ہے۔ ڈسٹرکٹ جج کی عدالت کے علاوہ چند دوسری عدالتیں بھی ضابطہ دیوانی کے تحت پاکستان میں قائم ہیں۔

سینئر سول جج (Senior Civil Judge): یہ ڈسٹرکٹ جج کی طرف سے ضلع کی دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ ایسے جج کے فیصلے کیخلاف ڈسٹرکٹ کورٹ میں اپیل دائر کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ اوّل (First Class Civil Judge): یہ ڈسٹرکٹ جج کی طرف سے ضلع کی دیوانی عدالتوں کی نگرانی کرتا ہے۔ سینئر سول جج کے فیصلے کے خلاف اپیل ڈسٹرکٹ کورٹ میں دائر کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ دوم (Second Class Civil Judge): سول جج درجہ دوم پانچ ہزار روپے تک کی مالیت کے مقدمات کی سماعت کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف بھی اپیل ڈسٹرکٹ کورٹ میں کی جاسکتی ہے۔

سول جج درجہ سوم (Third Class Civil Judge): صرف دو ہزار روپے تک کے مقدمات کی سماعت کا اختیار رکھتا ہے۔ اس کے فیصلوں کے خلاف اپیل سینئر سول جج کی عدالت میں کی جاسکت ہے۔

❁ **عدالتِ خفیفہ:** دیوانی وفوجداری اور سیشن عدالتوں کے علاوہ ضلع میں حسبِ ضرورت عدالت ہائے خفیفہ ہوتی ہیں۔ اس قسم کی عدالتوں کو پانچ سو روپے تک مالی اور دیوانی معاملات کی سماعت کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ جن اضلاع میں عدالتِ ہائے خفیفہ ہیں، وہاں کا کام ایڈیشنل سول جج کی عدالت سرانجام دیتی ہیں ⑤

ان عدالتوں کے علاوہ بھی پاکستان میں دیوانی اختیارات کی حامل عدالتیں ہیں۔ اَراضی یا اس کی پیداوار کے متعلق مالک ومزارع میں جو تنازعات ہوتے ہیں، ان کا تصفیہ مال گزاری کی عدالتیں کرتی ہیں۔ مال گزاری کی عدالتیں حسبِ ذیل ہوتی ہیں:

① کلکٹر کی عدالت
② ڈپٹی کلکٹر کی عدالت
③ اسسٹنٹ کلکٹر کی عدالت
④ سب ڈویژنل افسر کی عدالت
⑤ تحصیل دار کی عدالت
⑥ نائب تحصیلدار کی عدالت

صوبہ میں مال گزاری کے مقدمات کی سماعت کے لیے سب سے بااختیار ادارہ 'ریونیو بورڈ' ہے۔ بورڈ کے فیصلوں کے خلاف اپیل نہیں کی جاسکتی۔

فوجداری عدالتوں کی تقسیم

ہائی کورٹ(High Court)اور ان دیگر عدالتوں کے علاوہ جو کسی قانون نافذ الوقت کے تحت قائم کی جائیں، پاکستان میں پانچ قسموں کی فوجداری عدالتیں ہوں گی:

① عدالت ہائے سیشن کورٹ
② پریزیڈنسی مجسٹریٹ (حذف ہوئی)
③ مجسٹریٹ درجہ اوّل
④ مجسٹریٹ درجہ دوم
⑤ مجسٹریٹ درجہ سوم اور خصوصی مجسٹریٹ

سیشن کورٹ: ضلع کی سطح پر فوجداری مقدمات کے سلسلے میں سب سے بڑی عدالت سیشن عدالت ہوتی ہے۔ یہ عدالت سزائے موت تک دے سکتی ہے لیکن اس پر عمل درآمد سے پہلے ہائی کورٹ کی توثیق ضروری ہے۔ سیشن کورٹ ماتحت عدالتوں یعنی مجسٹریٹوں کی عدالتوں کے خلاف اپیل سننے کا اختیار رکھتی ہے۔

بنیادی طور پر پاکستان میں ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی عدالتیں اپنے فرائض سرانجام دے رہی ہیں اور وہی دو مجموعہ ہائے قانون یعنی ضابطہ دیوانی اور ضابطہ فوجداری نافذ العمل ہے۔

---

⑤ اُردو انسائیکلوپیڈیا، ص۶۸۹

ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی چند مخصوص عدالتیں

ضابطہ دیوانی اور فوجداری کی چند مخصوص عدالتیں بھی ہیں جو بنیادی طور پر ضابطہ فوجداری اور دیوانی کے تحت ہی کام کرتی ہیں اور پاکستان کے نظام کا حصہ ہیں جن میں مندرجہ ذیل عدالتیں قائم ہیں:

۱۔مصالحتی عدالتیں	۲۔نابالغ مجرموں کی عالتیں
۳۔قاضی عدالتیں	۴۔لیبر کورٹس
۵۔انسداد دہشت گردی کی خصوصی عدالتیں	۶۔قاضی محتسب کی عدالتیں
۷۔فیملی کورٹس	۸۔نارکوٹکس (منشیات) کی عدالتیں
۹۔جرگہ اور پنچائیت کی عدالتیں	۱۰۔قاضی شرعی عدالت
۱۱۔افواجِ پاکستان کی عدالتیں	۱۲۔سروس ٹریبونلز وغیرہ

مجموعہ تعزیراتِ پاکستان کے تحت پاکستانی عدالتیں مندرجہ ذیل سزائیں صادر کرسکتی ہیں:

① قصاص ② دیت ③ اَرش ④ ضمان ⑤ تعزیر ⑥ موت ⑦ عمر قید

⑧ سزائے قید جو دو قسم پر مشتمل ہے: (i) قید بامشقت (ii) قید محض

⑨ ضبطی جائیداد اور ⑩ جرمانہ

اس وقت بشمول چیف جسٹس فل بینچ میں بارہ جج صاحبان شامل ہیں۔ عدالتِ عظمیٰ کا کوئی فیصلہ جس حد تک کہ اس میں کسی امر قانونی کا تصفیہ کیا گیا ہو یا وہ کسی اُصولِ قانون پر مبنی ہو یا اس کی وضاحت کرتا ہو، پاکستان میں تمام دوسری عدالتوں کے لیے واجب التعمیل ہوگا۔[۵۲]

اسلام نے اپنے ابدی قوانین کو اسلامی معاشرے کے لیے رائج کیا اور اس کے فوائد آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود قائم ودائم ہیں۔ قیامِ پاکستان کے بعد حکومتوں نے بیرونی استعماری طاقتوں کی سازش پر ایسا ماحول ملک کے اندر پیدا کر دیا کہ عوام میں یہ رائے پیدا کی جانے لگی کہ اسلامی نظام کا نفاذ اس ملک کے لیے ممکن اور موزوں نہیں ہے۔ یہاں پر پہلے ہمارے عدالتی نظام کی چند خامیاں بیان کی جاتی ہیں اور بعد ازاں چند ایک تجاویز پیش کی جاتی ہیں جو پاکستان میں اسلامی نظامِ عدل قائم کرنے کے لیے فائدہ مند ہوں گی۔

---

[۵۲] رہنمائے وکالت، ص ۴۲۸

موجودہ عدالتی نظام کی خامیاں

۱۔ اسلامی عدالتی نظام کے برعکس پاکستان میں مروّجہ نظام ہائے عدالت آزاد وخود مختار نہیں ہے۔ پاکستان کے تمام دساتیر جب بنائے گئے، عدالتوں میں عدلیہ کی آزادی اور خود مختاری کے وعدے تو کیے گئے مگر ان پر عمل درآمد نہ کیا گیا۔ ۱۹۷۳ء کے آئین میں بھی اس بات کی تائید تو موجود تھی مگر تا حال اس پر عمل درآمد نہ ہوسکا۔

۲۔ پاکستان میں عدالتیں سربراہِ مملکت، وزیر اعظم، گورنر اور وزرا کے خلاف مقدمات از خود چلانے کی مجاز نہیں ہیں۔ اعلیٰ حکام کے خلاف حکومت سے پیشگی اجازت حاصل کرنا ضروری ہے۔ اسی طرح غیر ملکی سفرا کے خلاف مقدمات بھی نہیں چلائے جاسکتے، یہ امتیازی سلوک کی واضح مثالیں ہیں۔

۳۔ ججوں کی اسامیاں بعض دفعہ میرٹ کی بجائے سیاسی بنیادوں پر پُر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حکومتیں عدلیہ کے فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ ماتحت عدالتوں میں مجسٹریٹ انتظامیہ کے ماتحت ہوتے ہیں۔

۴۔ پاکستان میں مروّجہ عدالتی نظام انتہائی پیچیدہ ہے جس کی وجہ سے مقدمات طول پکڑتے ہیں اور نتیجتاً ملزمان سزا سے بچ نکلتے ہیں۔

۵۔ شہادت کا نظام انتہائی ناقص ہے، گواہ عدالتوں میں پیش ہی نہیں ہوتے۔ پولیس چالان داخلِ عدالت کرنے میں تاخیر کرتی ہے۔ گواہوں کی جانچ اور پرکھنے کا کوئی معیار و نظام مقرر نہیں ہے۔

۶۔ ملزمان کی طرف سے سرکاری وکلا پیروی نہیں کرتے ہیں اور ذاتی مفادات، حکومتی پالیسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ نیز صحیح طور پر مقدمات کی پیروی کرنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

۷۔ ماتحت عدالتیں بلاجواز ملزم کو ریمانڈ کے ذریعے حوالہ پولیس کر دیتی ہیں۔

۸۔ جیل سے قیدیوں کو پیش کرنے کا نظام ناقص ہونے کی وجہ سے عدالتیں ہر تاریخ سماعت پر سماعت ملتوی کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔

۹۔ ماتحت عدالتوں کے افسران انتظامی افسران ہونے کی وجہ سے لاء اینڈ آرڈر کنٹرول کرنے میں مصروف رہتے ہیں جس کی وجہ سے عدلیہ سے متعلق اُمور تاخیر کا شکار ہو جاتے ہیں۔

۱۰۔ عدالتوں کی تعداد میں کمی کی وجہ سے ایک عدالت میں کافی تعداد میں مقدمات زیر سماعت رہتے ہیں جس کی وجہ سے عدالتیں ان پر مکمل توجہ نہیں دے پاتیں۔

۱۱۔ عدالتوں پر حکومتی وسیاسی دباؤ ڈالا جاتا ہے۔جس کی بنا پر عدالتیں اپنے آزادانہ فیصلوں میں دشواری محسوس کرتی ہیں۔

۱۲۔ عدالتی افسران، اہلکاروں کی تنخواہیں اور مراعات معاشرتی ضرورتوں سے ہم آہنگی نہیں رکھتیں۔

۱۳۔ عدالتوں کے جج صاحبان کو تحفظ فراہم نہیں کیا جاتا اوران کی زندگیوں کو ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔

۱۴۔ ہمارے عدالتی نظام کے اندر ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ایک ملک کے اندر مختلف قوانین چل رہے ہیں، کہیں انگریزی قوانین کے مطابق فیصلہ ہو رہا ہے، کہیں شریعت کے مطابق، ایک ہی کیس میں اپیل کے لیے اتنے سارے فورم ہیں کہ فیصلے پر عمل درآمد دشوار ہو جاتا ہے۔[۴۳]

۱۵۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی اسلامی ریاست میں قرآن وسنت ہی عدل وانصاف کی بنیاد اور میزان قرار پاسکتے ہیں، جبکہ خدا بیزار انسانی قوانین معاشرے میں حقیقی عدل وانصاف قائم کرنے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہمیں اللہ اوراس کے رسول کو ہی اپنا حکم تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی اور گنجائش موجود نہیں ہے۔ اس لحاظ سے قیام پاکستان کی اساس کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں کی بنیادی ضرورت یعنی نفاذِ شریعت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے اور یہی پاکستان میں عدل کی ناگفتہ بہ حالت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔

پاکستان کے عدالتی نظام کی اصلاح کے لیے تجاویز

سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ اسلامی نظام عدالت رائج کیا جائے۔ تحصیل اور ضلعی سطح پر قاضی کورٹس قائم کی جائیں۔ اور ہر تھانہ میں قاضی کورٹ ہو، جہاں سرکاری وکیل تعینات ہوں، سیکولر بنیادوں پر نافذ قوانین کو اولین فرصت میں ختم کر کے شریعت اسلامیہ کا نفاذ کیا جائے۔

۱۔ وفاقی شرعی عدالت کو سپریم کورٹ میں ضم کر کے اس کے ججوں کو سپریم کورٹ کے ججوں کے برابر تسلیم کیا جائے، ہر ہائی کورٹ میں کم از کم ایک تہائی تعداد مفتیوں کی ہو۔

[۴۳] کنیز فاطمہ، اسلامی نظام عدل کی روشنی میں پاکستان کے عدالتی نظام کا تحقیقی مطالعہ (مقالہ ڈاکٹریٹ شعبہ معارف اسلامیہ، جامعہ کراچی ۲۰۰۵ء) ص ۳۸۶، ۳۸۷

۲۔ اسلامی نظریاتی کونسل کو مزید فعال بنایا جائے۔ اگر کسی قانون کی کوئی دفعہ سپریم کورٹ یا ہائی کورٹ کی نظر میں فیصلے میں اس کا تذکرہ کر دے اور متعلقہ حصہ اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیج دے تو کونسل کے لیے لازمی ہو کہ وہ ایک مہینے کے اندر اندر اپنی رپورٹ اسمبلی اور کورٹ کو بھیج دے۔

۳۔ عدالتی آسامیاں اہل، قابل، دیانت دار محنتی اور اسلامی قانون کے ماہرین سے پر کی جائیں۔ سفارش اور اقربا پروری عدلیہ کے لیے جائز نہیں ہے بلکہ ایک جج کے لیے ضروری ہے کہ قرآن وسنت اور فقہ کا ماہر ہو اور جدید تعلیم سے آشنا ہو، کیونکہ عدل کی میزان کتاب وسنت ہیں اور جج انہی کی بنا پر فیصلہ کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برا ہو سکتا ہے۔

۴۔ شہادت کے نظام کو بہتر بنایا جائے۔ ملزم کو عدالت میں بروقت پیش کیا جائے۔ اس کے ساتھ گواہان اور مثل مقدمہ پیش کیا جائے تا کہ تاخیر نہ ہو، بلا جواز ریمانڈ نہ دیا جائے۔ جو عدالت ملزم کو جیل بھیجے، اس کی نگہبان بھی وہی عدالت ہو جو اس کا ریکارڈ رکھے اور اُسے عدالت میں منگوانے کا انتظام کرے یا جیل میں جا کر اس کا فیصلہ کر دے۔

۵۔ عدلیہ اور انتظامیہ کو الگ الگ کیا جائے۔ انتظامیہ کی ذمہ داری امن وامان کا قائم رکھنا اور ریونیو اکٹھا کرنا ہو جبکہ عدالتیں صرف عدالتی کام کریں۔ عدالتی افسران کیلئے ایل ایل بی، قرآن وحدیث، فقہ اسلامی اور مسلم قاضیوں کے فیصلوں سے آگاہی لازمی قرار دی جائے۔

۶۔ جج صاحبان کو خصوصی مراعات دی جائیں۔ ان کی تنخواہوں اور مراعات کو معاشی ومعاشرتی ضروریات کے مطابق کیا جائے۔ جج صاحبان کو تحفظ فراہم کیا جائے تا کہ وہ بلا خوف وخطر فیصلے کر سکیں۔

۷۔ عدالتوں کو سیاسی اور حکومتی دباؤ سے آزاد رکھا جائے تا کہ وہ بلا خوف وخطر فیصلے کر سکیں۔

۸۔ عدالتوں کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے۔ قوانین میں تبدیلی کی جائے تا کہ سربراہِ مملکت، اعلیٰ حکام، وزرا اور سفرا وغیرہ پر مقدمہ چلانے کے لیے اجازت کی ضرورت نہ رہے۔ امتیازی سلوک کو ختم کیا جائے اور قانون کی نظر میں عام شہری حکمران طبقے کے برابر ہو۔

۹۔ جرائم میں ملوث یا غفلت ورشوت ستانی کے مرتکب افسران اور اہلکاروں کو عبرتناک سزا دی جائے۔

۱۰۔ ایف آئی آر درج کرنا انتہائی آسان ہو اور پولیس کی طرف سے ایف آئی آر درج ہونے کے پندرہ دن کے اندر اندر مقدمہ کا چالان عدالت میں پیش ہونا چاہیے، خواہ چالان مکمل ہو یا نامکمل ہو۔ عدالت چاہے تو چالان مکمل کرنے کے لیے مزید ایک مہینہ دے سکتی ہے۔ مقدمے کی مکمل سماعت ایک مہینے کے اندر اندر شروع کی جائے اور اس کی سماعت سے پہلے ساری کاغذی کاروائیاں مکمل ہونی چاہیے۔

۱۱۔ مقدمات کی تاریخوں کا موجودہ طریقہ کار بالکل ختم کیا جانا چاہیے۔ ایک دفعہ مقدمہ کی سماعت شروع ہو جائے تو پھر یہ سماعت مسلسل اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک تمام گواہوں کے بیانات اور وکیلوں کی بحث ختم نہ ہو جائے۔ مقدمہ کی سماعت مکمل ہونے کے پندرہ دِن کے اندر اندر فیصلہ سنانا ضروری ہو۔ اس طریقے سے کوئی بھی مقدمہ چھ مہینے سے زیادہ نہیں لے گا۔ کوشش کی جائے کہ مقدمہ ایک ماہ میں ختم ہو۔

۱۲۔ اگر کسی تحصیل ہیڈ کوارٹر میں ایک فوجداری اور ایک دیوانی سیشن جج پر کام کا بوجھ زیادہ ہے تو وہاں دو یا دو سے زیادہ سیشن ججوں کو تعینات کیا جائے۔ مقدمات کی سماعت مختصر اور آسان ہو۔

۱۳۔ وکلا کی فیسیں عام آدمی کو انصاف کی راہ سے دور رکھتی ہیں۔ پاکستان میں غربت انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ وکلا صاحبان کی فیسیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ایک غریب آدمی کے لیے انصاف حاصل کرنا بہت مشکل ہے۔ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنی طرف سے وکیل کے اخراجات ادا کرے۔

۱۴۔ وفاقی محتسب کے ادارے کو مزید فعال بنایا جائے۔ جہاں صرف ایک سادہ درخواست لکھ دینے سے انسان کے لیے انصاف کا راستہ نکل آتا ہے جس سے سرکاری محکموں کی ناانصافیوں کے خلاف عام آدمی کو انصاف مہیا ہونے میں آسانی پیدا ہوگی۔

۱۵۔ تمام عدالتوں کے ججوں کے لیے یہ اُصول اختیار کیا جائے کہ اگر وہ مقرر وقت کے اندر کیس کا فیصلہ نہیں کریں گے تو یہ ان کا ایک ڈِس کریڈٹ شمار ہو۔ ان کو لازماً انصاف کی فوری فراہمی کا بندوبست کرنا چاہیے۔ ججوں کو اضافی وقت صرف کرنے کا اضافی معاوضہ دیا جائے۔ اس سے ان کی استعداد کار میں اضافہ ہوگا۔

۱۶۔ بعض وکلا اپنے مؤکلین کے فائدے کے لئے تاخیری حربوں کا سہارا لیتے ہیں، اگر ایک جج چاہے تو ان چیزوں کو بڑی آسانی سے کنٹرول کرسکتا ہے۔

۱۷۔ ترقی یافتہ ممالک میں وکلا گروپ کی شکل میں پریکٹس کرتے ہیں۔اس طرح کسی وکیل کی بیماری یا چھٹی کو وجہ سے کیس کی سماعت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔اس لیے پاکستان میں بھی وکلا گروپ کی شکل میں اگر پریکٹس کریں گے تو ایک وکیل کی غیر حاضری میں دوسرا وکیل کیس کو چلا سکے گا اور مقدمات کا فیصلہ بروقت ہوجائے گا۔

۱۸۔ محکمہ پولیس کی اصلاح کی جائے، کیونکہ ملزمان عدالت میں پہنچ کرنا کارہ شہادتوں کی ناقص کاروائیوں اور قانونی موشگافیوں کے ذریعے بری ہوجاتے ہیں۔ اصل ملزم کے گرفتار ہونے اور سزایاب ہونے کا مکمل انحصار پولیس کی تفتیش اور عدالت میں مقدمہ کی پیروی پر منحصر ہے۔اگر صحیح خطوط پر تفتیش ہوا اور صحیح معنوں میں مقدمہ کی پیروی ہو تو ملزم سزا سے بری ہوجاتے ہیں۔ پولیس مقدمہ درج ہی نہیں کرتی۔ مدعی مقدمہ درج کرانے کے لیے سفارش کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے، اکثر اصلی مجرم پولیس کی غلط تفتیش، غلط کاروائی، غلط رپورٹنگ اور عدم پیروی سے سزا سے بچ جاتے ہیں۔

۱۹۔ جیلوں کی اصلاح کی جائے، جیل میں قیدیوں کو رکھنے کا مقصد ان کی اصلاح کرنا ہے۔ان کے کیے کی سزا دینا اور دوسروں کو عبرت دینا وغیرہ۔اسلامی نظام میں جیل کا مقصد اصلاح و تربیت گاہ اور عبرت گاہ ہے۔جیل سے سزا کاٹ کر ایک صحیح انسان بن کر باہر نکلے اور وہ معاشرے کے لیے پریشانی کا باعث نہ ہو اور ناسور نہ رہے جب کہ ہمارے ہاں اکثر لوگ جیل سے واپسی پر بڑے مجرم بن کر آتے ہیں۔

۲۰۔ جیل حکام ملزموں کو بروقت پیشی پر پیش نہیں کرتے جس کی وجہ سے بے گناہ اپنے ناکردہ گناہ کی سزا کاٹنے پر مجبور ہوتے ہیں۔جیل میں قیدیوں کی اخلاقی، مذہبی، علمی اور فنی تعلیم و تربیت کے لیے کوئی معقول بندوبست نہیں کیا جاتا اور نہ ہی ان کی صحت وصفائی اور خوراک کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں تھانے اور جیلیں مجرم کو مزید مجرمانہ ٹریننگ مہیا کرنے کے ادارے کا کام کرتے ہیں۔

۲۰۔ سرکاری وکلاء کی کارکردگی بہتر بنائی جائے، سیشن کے سرکاری وکلاء کا ٹھیکیداری نظام ختم کیا جائے کیونکہ وہ زیادہ تر اپنے ذاتی مقدمات میں زیادہ محنت اور وقت صرف کرتے ہیں اور سرکاری مقدمات کے لیے فیس کم ہونے کی بناء پر زیادہ توجہ نہیں دیتے۔ انہیں کل وقتی وکیل مقرر کیا جائے، تاکہ وہ ان مقدمات پر توجہ دے سکیں اور انہیں اچھی تنخواہیں اور مراعات دی جائیں تاکہ وہ دل جمعی سے کام کرسکیں اور بدعنوانی میں ملوث نہ ہوں۔

۲۱۔ تعزیراتِ پاکستان، جو مغربی رنگ لیے ہوئے ہے اس کی جگہ اسلامی حدود و تعزیرات نافذ کی جائیں۔ تعزیراتِ پاکستان میں مقدار کے لحاظ سے سزائیں بہت کم ہیں، خصوصاً کوڑوں کی سزا سوائے حدود آرڈیننس کے شامل نہیں ہے۔ اسلامی قوانین کے مطابق حاکم، سرکاری اہلکار وغیرہ سب کے سب عدالت کے سامنے جواب دہ ہیں جب کہ مغربی قوانین کے مطابق سربراہِ مملکت، وزیر اعظم، وزرائے اعلیٰ، گورنر کے خلاف تو عدالتیں کاروائی نہیں کرسکتیں جب کہ سرکاری افسروں کے لیے پہلے مرکز یا صوبائی حکومتوں سے اِجازت لینا پڑتی ہے جو کہ عدل وانصاف کے تقاضوں کے منافی ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ایک عام آدمی سے لے کر سربراہِ مملکت تک شہریوں اور حکام کو عدالت کے سامنے جوابدہ بنایا جائے۔ ایسی تمام مستثنیات خواہ تعزیراتِ پاکستان، ضابطہ فوجداری یا آئین میں جوموجود ہیں منسوخ کی جائیں تاکہ یکسانیت اور مساوات پیدا ہو، تاکہ عدل وانصاف میں تمام اَفراد برابر ہوسکیں۔ [۵۴]

یہی اسلام کی تعلیم اور اسلامی عدل کا طرۂ امتیاز ہے۔

---

[۵۴] ایضاً ص ۳۸۸ تا ۳۹۰